کچھ طالبان کے حق میں.......

خالد مسعود خان

بغض معاویہؓ کے زور پر تعصب سے لتھڑے ہوئے قلم کے ساتھ روشن خیالی، انسان دوستی اور حقوق کی بحالی بارے لکھنے والے ''وسیع القلب متعصب'' اور ''تنگ نظر روشن خیال'' دانشوروں کا اندرونی تعصب اور دلی بغض بلآخر باہر آ ہی گیا ہے۔ پچھلے سال سے عمومی اور گزشتہ دو ماہ سے خصوصی طور پر افغانستان میں طالبان کی جانب سے رکھوائی جانے والی ''زبردستی'' کی داڑھیوں اور ''جبر'' سے پہنائے گئے برقعوں کی آڑ میں طالبان کو انسانی حقوق کی پامالی کے الزام میں مطعون کرنے بلکہ قابل گردن زدنی قرار دینے والے قلمکار اور دانشور طالبان کی بے انداز شہادتوں، مرنے والوں کی لاشوں کی بے حرمتی، مارے جانے سے قبل کیے جانے والے غیر انسانی تشدد اور مزید متوقع ہلاکتوں پر اپنی تمام تر ''انسان دوستی'' اور ''انسانی حقوق'' کی پاسداری کے دعووں کے باوجود نہ صرف خاموش بلکہ بعض سنگدل تو باقاعدہ مطمئن و مسرور ہیں۔

زبردستی رکھوائی گئی داڑھیوں کے ساتھ برضا و رغبت رکھوائی جانے والی داڑھیوں کو زبردستی مونڈنے اور جبر سے پہنائے گئے برقعوں کے ساتھ ساتھ اپنی مرضی سے پہنے ہوئے برقعوں کو طاقت کے زور پر اتروانے کے عمل کو ''اپنی مرضی کی زندگی گزارنے'' سے تشبیہہ دینے والے دانشوروں کی اس منافقت نے ان کے اندر کے ''بے ایمان'' کو سب پر آشکار کر دیا ہے۔

بیشک زبردستی داڑھی رکھوانا کوئی احسن یا پسندیدہ کام نہیں مگر سنت رسولؐ سمجھ کر رکھی گئی داڑھی کو زبردستی مونڈنا ایک ایسا قبیح اور فاسقانہ فعل ہے جس سے پہلے سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسی طرح زبردستی پہنائے جانے والے برقعے کا بدلہ لینے کے لئے پردہ دار خواتین کا برقعہ زبردستی اتارنے پر خوشی منانے والے کو صرف بدبخت ہی کہا جا سکتا ہے۔ مزار شریف، کابل اور ہرات کی سڑکوں پر صرف طالبان دشمنی میں ایسی ایسی داڑھیاں نوچی اور مونڈی گئیں جو طالبان نے نہیں رکھوائی تھیں بلکہ افغان مذہبی کلچر کے زیر اثر سنت رسولؐ سمجھ کر رکھی گئی تھیں اور ایسی ایسی عفت مآب اور پاک باز افغان عورتوں کے برقعے برسرِ بازار اتارے گئے جن کو چشم فلک نے ایسی حالت میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس عمل کو ''روشن خیالی کی فتح'' اور ''باطل نظریات کی شکست'' سے تشبیہہ دینا ایک قلمی خیانت ہے (ایسے لوگوں کے لئے یہ نرم ترین الفاظ ہیں۔)

کسی داڑھی والے کالم نویس (بشمول میرے) کے نظریات سے ملا عمر کی فقہ سے اور طالبان کی اسلامی تشریحات سے اختلاف اپنی جگہ مگر ان اختلافات کی بنیاد پر داڑھی کو کسی باریش کالم نویس کی ایجاد ملا عمر کی ملکیت یا طالبان کی میراث سمجھ کر کبھی مطعون کرنا اور کبھی خوشیاں منانا روشن خیالی اور انسانی حقوق کے منہ پر ایک تھپڑ مارنے کے مترادف ہے۔ داڑھی نہ صرف

سنت رسولؐ ہے بلکہ آپ کے خاندان کے ہر فرد کے چہرے کی زینت رہی۔ وہ حضرت علیؓ ہوں جناب حسنؓ ہوں یا جناب حسینؓ۔

طالبان کی جانب سے داڑھی اور برقعے کے زبردستی اطلاق کے ''نا قابل معافی'' جرم کو بنیاد بنا کر پچھلے سات ہفتے سے ہونے والی انسانی تاریخ کی سب سے ہولناک اور تباہ کن امریکی بمباری کو عین انصاف قرار دینے والے اور طالبان کے زیر قبضہ علاقوں میں نافذ بعض پابندیوں کے نفاذ کو انسانی حقوق کی پامالی قرار دے کر شہید ہونے والے طالبان کی لاشوں کو پڑنے والی ٹھوکروں کو مارے جانے سے قبل ان پر ہونے والے غیر انسانی تشدد، گرفتار ہونے والوں کو، زندہ جلانے کو، مرنے والوں کی آنکھیں نکالنے اور اعضاء کاٹنے کو، پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کے منہ میں کلاشنکوف کے برسٹ مارے جانے اور طالبان کی برہنہ لاشوں کو سڑکوں پر گھسیٹنے کو' جیسا بویا دیسا کاٹنے'' کی تشبیہہ دینے والوں کو اس قلمی خیانت اور بے ایمانی کے بعد خود کو انسانی حقوق کا خود ساختہ پاسبان کہنے کا کوئی حق نہیں کہ ان کا قلم سارا زور اس وقت دکھاتا ہے جب ملبہ بنیاد پرستوں پر، مولویوں پر یا داڑھی والوں پر گر رہا ہو۔ تاہم وہ اس وقت بالکل خاموش رہتے ہیں جب داڑھی والوں کو سڑکوں پر ذبح کیا جا رہا ہو، ان کی انسان دوستی کو ہسپتالوں، مسجدوں، دیہاتوں اور شہری آبادی پر گرنے والے امریکی میزائل اور ہوائی حملے بھی نہیں جھنجھوڑ سکتے اور وہ اس ظالمانہ فعل کو بھی طالبان علاقوں میں انسانی حقوق پر پابندیوں کے جواب میں نہ صرف معقول اور متوازن ردعمل قرار دیتے ہیں بلکہ ایسے موقع پر خوشی ان کی تحریروں میں امڈی پڑتی ہے۔

انسانی حقوق کا شور مچانے والے صبح دو روپے کے بلیڈ سے داڑھی مونڈنے کے بعد خود کو اعلیٰ وارفع قرار دینے والوں اور داڑھی کو انسان کے زمرے سے باہر نکال کر ان کی لاشوں کو جو پڑنے والی ٹھوکروں پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ ایسے دانشوروں کی ساری انسانیت صرف روپے کے بلیڈ میں پھنسی ہوئی ہے۔ ان متعصب اور تنگ نظر روشن خیالوں کو طالبان کی تمام تر جہالتیں تو نظر آتی ہیں مگر انہیں خونخوار ازبکوں، وحشی تاجکوں اور جزب وحدت کے مومنوں کے وہ ظالمانہ فعل نظر نہیں آ رہے جو وہ ''مفتوحہ'' علاقوں میں کر رہے ہیں؟ ''جاہل'' طالبان کے زیر قبضہ انتہائی پر امن علاقوں میں طالبان اسلامی تشریحات، زبردستی کے برقعے اور داڑھی کو جواز بنا کر ان کے خلاف طوفان اٹھانے والوں کو اب امریکی فراہم کردہ وردیوں میں ملبوس ''تعلیم یافتہ اور پڑھے لکھے'' شمالی اتحاد والوں کی ڈیڑھ ہفتے کی حکومت میں ہونے والی ہزاروں ہلاکتیں نظر نہیں آ رہیں؟ یہ ہلاکتیں جنگ میں نہیں ہوئی بلکہ بعد از قبضہ زندہ جلانے، ذبح کرنے، ہاتھ باندھ کر گولیاں مارنے اور اعضاء کاٹنے سے واقع ہوئی ہیں۔ انسانی حقوق کے پاسداروں کے علم میں اضافے کے لئے عرض ہے کہ طالبان اور ان کے حامیوں کے نام پر مارے جانے والے تمام لوگ اپنی داڑھیوں کے باوجود انسان ہی تھے۔

دانشوروں کو آج کل ''جہاد'' سے اتنا ہی بیر ہے، جتنا کہ تمام یہودیوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کو ہے۔ جہاد کا ٹھٹھہ اڑانے والے'' تاریخ کے طالب علموں'' کو یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ پورے مدینہ منورہ میں صرف عبداللہ بن ابی ہی وہ

شخص تھا جو جہاد کا منکر تھا اور موجودہ دور میں انگریزوں سے خلعت نبوت پانے والا مرزا غلام احمد قادیانی اس کا منکر تھا۔ جہاد کی مخالفت کرنے اور اس کا مذاق اڑانے والے، ہر دو مذکورہ افراد میں سے کسی ایک کے مکتب فکر کی بیعت کر لیں، تا کہ ان کے پاس اس مخالفت کا شرعی نہ سہی تاریخی جواز تو موجود ہو۔

ایک ''پیارا قلمکار'' لکھتا ہے کہ طالبان کی کابل اور مزار شریف میں شرمناک پسپائی ہوئی ہے، مجھے تسلیم ہے کہ طالبان پسپا ہوئے ہیں اور ابھی شاید اور کئی شہروں سے بھی پسپا ہوں گے۔ تاہم اسے یاد ہوگا کہ طالبان کی یہ پسپائی سات ہفتے کی شدید امریکی بمباری کے بعد ہوئی، جبکہ اصلی اور حقیقت شرمناک پسپائی تو احمد شاہ مسعود، برہان الدین ربانی اور کریم خلیلی اینڈ کمپنی کی تب ہوئی تھی جب وہ طالبان کی آمد کا سن کر، بغیر امریکی بمباری کے، کابل سے بھاگ نکلے تھے رہ گئی بات کابل میں طالبان کی رخصتی پر ہونے والے جشن کی، تو کابل میں ہونے والے جشن کو حق کی فتح اور باطل کی شکست قرار دینے والوں کو بخوبی یاد ہوگا کہ شمالی اتحاد کی کابل سے 1996ء میں شرمناک پسپائی پر اس سے زیادہ بڑا جشن منایا گیا تھا۔

طالبان پر ایک اور الزام یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں بڑا ظلم و ستم اور قتل عام کیا۔ ان کے پانچ سال کے زائد دور اقتدار میں انتظامی اور شرعی قوانین کے تحت دی جانے والی سزائے موت کی تعداد مزار شریف کے سلطان رضیہ سکول میں پناہ لینے والوں کے قتل عام سے کئی گناہ کم تھی۔ ''ٹائم'' کا نمائندہ الیکس پیری رقم طراز ہے کہ'' سکول میں محصورین نے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کی لیکن شمالی اتحاد والوں نے ان کا بیدردی سے قتل عام شروع کر دیا''۔ تقریباً ایک ہزار لوگ صرف اس ایک سکول میں قتل ہوئے۔ جب میں وہاں پہنچا تو مقتولین کی مثلہ لاشوں اور کٹے ہوئے اعضاء کو ریڈ کراس کی ٹیمیں ٹریکٹروں اور ٹرالیوں کے ذریعے کہیں اور منتقل کر رہی تھیں۔ عمارت میں چاروں طرف لاشیں بکھری ہوئی تھیں، جن کے اعضاء کاٹ دئے گئے تھے۔ اس دو منزلہ عمارت پر شمالی اتحاد نے چاروں طرف سے فائرنگ کی، امریکی طیاروں نے دن بھر بمباری کی۔ محصور پاکستانیوں کو ہزارہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک مذہبی فرقے نے خصوصی طور پر انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا۔ بعد میں اتحادی فوجیوں نے عمارت پر تیل پھینک کر آگ لگادی۔ ریڈ کراس نے ہفتے کے روز 131 اتوار کو 80 اور بعد میں جلی ہوئی عمارت کے ملبے سے 400 لاشیں نکالیں۔ اس قتل عام میں ہزارہ قبائل نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا''۔

1996ء میں کابل پر قبضے کے بعد طالبان انقلاب کی مزاحمت کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتیں انقلابات میں ہونے والی عام ہلاکتوں سے کہیں کم تھیں۔ قابل ذکر مقتولین میں ہزاروں افغانوں کا قاتل ڈاکٹر نجیب اللہ شامل تھا کابل میں طالبان کے ہاتھوں ہونے والی ہلاکتوں کی کل تعداد کے برابر پھانسیاں تو انقلاب ایران میں ہر روز دی جاتی تھیں اور یہ سلسلہ لگاتار کئی ماہ تک جاری رہا۔ اس کی زد میں اعتدال پسند وزیر خارجہ صادق قطب زادہ بھی آئے، وہ تو انقلاب کے بعد بانی صدر، بنی صدر فرار ہو گئے، ورنہ وہ بھی لٹکا دیئے گئے ہوتے۔ انقلاب کے بعد علماء کے ساتھ مل کر قربانیاں دینے

والے مجاہدین خلق انقلاب کیلئے فکری سرمایہ فراہم کرنے والے ڈاکٹر علی شریعتی کے حامیوں اور آیت اللہ خمینی کے جلا وطنی کے دوران انقلاب کی قیادت کرنے والے آیت اللہ شریعت مدار کے ساتھ جو سلوک ہوا، وہ قبل و بعد از انقلاب حالات کے عینی شاہد مختار مسعود کی کتاب ''لوح ایام'' میں درج ہیں۔ مزید تفصیلات بنی صدر کی کتاب **IT IS MY TURN TO SPEEK** میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ مقصود یہ تھا کہ یہ چیزیں انقلاب کا حصہ ہیں مگر عمارتوں میں محصور اور ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار افراد کے قتل عام کو انقلاب کا حصہ کہنا یا موازنہ نہ کرنا زیادتی ہوگا۔

اپنی پسند ناپسند، داڑھی والے بغیر داڑھی والے، رجعت پسند اور ترقی پسند، بنیاد پرست اور لبرل کی بنیاد پر تقسیم کرنے کے بعد انسانی حقوق کا تعین کرنے والوں کو اس خیانت پر خود غور کرنا چاہیے، جہاں وہ صرف فقہی اختلافات کی بنیاد پر طالبان کی ہر بات میں کیڑے نکالنا اپنا فرض خیال کرتے ہیں اور اپنی پسند کے گروہ کی ہر خرابی پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔

طالبان پر ایک بڑا اعتراض یہ تھا وہ ضدی، ہٹ دھرم اور بے لچک تھے اور ان کی اسی ہٹ دھرمی نے یہ دن دکھلائے۔ یہ دعویٰ کرنے والے دانشور بذات خود اتنے ہٹ دھرم اور ضدی ہیں کہ وہ اپنے اس دعوے کی دوسری سمت دیکھنے کے بھی روادار نہیں۔ مجھے پتہ ہے کہ وہ میرے نقطہ نظر سے اتفاق کرنا تو ایک طرف، اس کے حرفوں سے اپنی مرضی کے معانی برآمد کر لیں گے۔

''واشنگٹن پوسٹ'' سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں، جس میں تجزیہ نگار (جو امریکی ہے) لکھتا ہے کہ ''طالبان اور امریکی حکام کے درمیاب تین برس تک حل طلب مسائل پر بات چیت ہوتی رہی، مگر طالبان کی جانب سے لچک دکھانے اور مذاکرات پر آمادگی کے باوجود امریکیوں نے کبھی ان کی کوششوں کو سنجیدگی سے نہ لیا اور انصاف کے کٹہرے میں لانے کی شرط مانے بغیر اسامہ کی زندہ یا مردہ حوالگی کا مطالبہ جاری رکھا۔'' سی آئی اے کا ایک سابق سٹیشن چیف کہتا ہے کہ: ''ہم نے کبھی ان کی بات نہیں سنی۔ ہمارا مطالبہ تھا ہر صورت میں اسامہ کی حوالگی اور وہ کہتے تھے کہ اس کیلئے کوئی طریقہ کار ہونا چاہیے۔'' طالبان کا ایک وفد قالین کا تحفہ لیکر صدر بش کے پاس گیا اور مذکرات پر زور دیا۔ علاوہ ازیں ملا عمر نے سیٹلائیٹ فون کے ذریعے ایک اعلیٰ امریکی عہدیدار سے چالیس منٹ تک گفتگو کی اور اسامہ و دیگر مسائل پر امریکیوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کی، مگر امریکی ان کی کوئی بات سننے کیلئے تیار ہی نہیں تھے۔

سی این این، بی بی سی اور دیگر اسی قبیل کی غیر جانبداری کا دعویٰ کرنے والی جانبدار خبر رساں ایجنسیاں اور ٹیلی ویژن امریکی ہدایات کے عین مطابق پراپیگنڈہ کر کے دنیا کو یک رخی تصور دکھاتی رہیں اور ہمارے دانشور اور قلمکار اسی پراپیگنڈے کے سحر کا شکار رہے۔ تاہم اسامہ بن لادن اور طالبان کی حکومت کے خاتمے کے ایجنڈے سے شروع ہونے والا یہ یکطرفہ آپریشن جس طرح آہستہ آہستہ آشکار ہوتا جا رہا ہے، اس کے مدنظر دانشوروں کو ہٹ دھرمی کے بجائے حقائق

کو سمجھ کر اپنے خیالات سے رجوع کرنا چاہیے۔ دانشور کو کم از کم ایاز امیر (''ڈان'' کے کالم نگار) جتنا وسیع القلب تو ہونا چاہیے کہ وہ اپنے بعض تجزیوں سے رجوع کرے۔ ایاز امیر لکھتے ہیں:'' بیشمار پاکستانیوں نے جن میں انتہائی شرمساری محسوس کرتے ہوئے میں بھی شامل ہوں، یہ فرض کر لیا تھا کہ طالبان پاکستان پر رجعت پسندانہ اثرات ڈال رہے ہیں۔ اس مفروضے سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ طالبان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ یہ بات پاکستان کے مفاد میں ہے۔ اگر چہ دو سرحدی صوبوں یعنی بلوچستان اور صوبہ سرحد پر طالبان کا کافی اثر تھا، مگر وہ اپنا سخت اور بے لچک انقلاب ہم پر مسلط نہیں کر رہے تھے۔ یہ ہم تھے جوان پر اپنی سرپرستی مسلط کر رہے تھے۔''

آپ یقین کریں میں کبھی بھی طالبان کی غیر مشروط محبت میں اس طرح مبتلا نہیں ہوا، جس طرح طالبان کے مخالفین محض بغض معاویہؓ کی وجہ سے ان سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور نفرت کا یہ اظہار وہ انسانیت کے نام لیواؤں کو ان سے محبت نہ سہی، ہمدردی تو کرنی چاہئے تھی۔ مگر حقیقتاً یہ ہوا کہ انتہا پسندی کے خلاف اعتدال پسندی کے نام نہاد دعویداروں نے طالبان مخالفت میں باقاعدہ انتہا پسندی کا ثبوت دیا۔

جہاد بارے توازن کی باتیں کرنے والوں کو یہ بخوبی علم ہے کہ یہ ''جہاد'' طالبان نے شروع نہیں کیا تھا بلکہ ان پر مسلط کیا گیا تھا۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے ''لیٹ'' کر مار کھاتے یا کھڑے ہو کر۔ باعزت لوگوں کی طرح انہوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا، تاہم مجھے یہ اعتراف ضرور ہے کہ انہوں نے مار ضرور کھائی ہے مگر توازن اور طاقت کے موازنے کی بات کرنے والے امریکی مطالبات کی حد سے لاعلم دکھائی دیتے ہیں کہ امریکی طاقت سے ڈر کر اسامہ کو امریکہ کے حوالے کرنے سے معاملہ ختم نہیں ہونا تھا۔ مزید مطالبات کی ایک فہرست تھمادی جاتی تھی، جو اسوقت تک جاری رہتی جب تک طالبان مزید مطالبات ماننے سے ہاتھ نہ کھڑا کر دیتے۔ اس کے بعد بھی وہی کچھ ہی ہونا تھا جواب ہوا ہے۔ مگر جب آپ ملبہ طالبان پر گرانے کا سوچ لیں تو بھلا کیا کیا جا سکتا ہے؟ آخر امریکہ نے وسطی ایشیائی ریاستوں کے قدرتی وسائل کے خزانوں پر کسی نہ کسی بہانے تو بیٹھنا تھا اور پاکستان، افغانستان اور ایران کے بنیاد پرستوں کیلئے کسی کو تو نمونہ عبرت بنانا ہی تھا۔ یہ قرعہ طالبان کے نام نکالا گیا کہ وہی سب سے اکیلے اور علیحدہ تھے۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ میں طالبان کا کبھی بھی غیر مشروط حامی نہیں رہا اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کے بعد پیدا ہونے والے حالات سے پہلے اس بارے کبھی کچھ نہیں لکھا تھا۔ مگر امریکی استعمار اور پاکستان کے ازلی دافکار دشمن اور ہندوستانی اشاروں پر چلنے والے شمالی اتحاد کے مقابلے پر میں غیر مشروط طور پر طالبان کے ساتھ تھا، ساتھ ہوں اور طالبان کے قصہ ماضی بن جانے کے بعد بھی اپنے اس مؤقف پر قائم رہوں گا۔ تاہم قابل شرم مقام ہے ان کیلئے جو صرف اپنی گروہی، نظریاتی یا فقہی وابستگیوں یا مخالفتوں کی بنیاد پر طالبان پر امریکی بمباری تک کا جواز فراہم کرنے سے باز نہیں آ رہے۔

تاریخ کے طالب علموں کیلئے تاریخ کے صفحات سے ایک خط نقل کر رہا ہوں، جو اپنی جگہ پر پورا ایک سبق ہے، بشرطیکہ ہم سبق قبول کرنے کیلئے آنکھوں پر لپٹی تعصب اور بغض کی پٹی کھول دیں۔

یہ قیصر روم کے نام حضرت امیر معاویہؓ کا مکتوب ہے جو مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان اختلاف ہونے پر کفار سے مفاہمت کرنے والوں کیلئے ایک تازیانہ ہے۔

جنگ صفین کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے باہمی تعلقات اسی نوعیت کے تھے، جیسا کہ دو متحارب فریقین میں ہو سکتے تھے۔ اسلامی مملکت عملی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اس تقسیم کا فائدہ اٹھانے کیلئے قیصر روم نے ایران کے شمالی صوبوں پر لشکر کشی کا پروگرام بنایا۔ یہ شمالی صوبے حضرت علیؓ کی قلمرو میں شامل تھے اور قیصر روم کو توقع تھی کہ حضرت علیؓ کے زیرِ اقتدار صوبوں پر حملے کی صورت میں حضرت امیر معاویہؓ کم از کم غیر جانبدار ضرور رہیں گے۔ جب حضرت امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصر روم کو ایک خط لکھا جو عربی فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہے اور ایک خاص صورتحال میں دیئے جانے والا ناقابل فراموش سبق ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے لکھا: ''لعین! مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ تم سرحد پر لشکر کشی کرنا چاہتے ہو۔ یاد رکھو اگر تم نے ایسی غلطی کی تو میں اپنے چچازاد علیؓ سے صلح کر کے تجھ سے نبٹ لوں گا اور ان کا جو لشکر روانہ ہوگا، اس کے ہراول دستے میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا۔ تم نے اپنے شہروں کی جانب مراجعت نہ کی تو اللہ کی قسم میں اور علیؓ تجھے تیرے ملک سے نکال باہر کریں گے اور زمین کو باوجود وسعت کے تم پر تنگ کر دیں گے۔''

جناب امیر معاویہؓ کا یہ مکتوب طالبان مخالفت میں (خواہ اس کیلئے کتنے ہی معقول جواز موجود کیوں نہ ہوں) یا اپنے پسندیدہ گروہ کی حمایت میں امریکی حملوں بلکہ امریکی مؤقف کی تائید کرنے والوں کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔

(بقیہ از صفحہ ۱۲)

خطباتِ عید: نماز کے بعد دو خطبات سنت ہیں، انہیں خاموشی اور توجہ سے سننا چاہیے۔

جبری معانقہ و مصافحہ: خطبہ کے بعد امام کو مصلیٰ سے ہٹ کر ایک طرف ہو جانا چاہیے تاکہ لوگ آسانی سے منتشر ہو جائیں، اسی طرح نمازیوں کا ایک دوسرے کو یا امام کو سلام اور مصافحہ و معانقہ کرنا اور عید کی مبارک باد دینا بھی ثابت نہیں۔ گردنیں پھلانگنا، جلدی اور تیزی سے لپکنا اور جبری معانقہ و مصافحہ، سلام اور مبارک باد دینے کی کوشش کرنا قطعاً غلط اور خلافِ سنت اور بدعت ہے۔ اس غیر مسنون عمل سے بچنے کی سعی کرتے رہنا چاہیے۔